تزکیہ وتربیت

دنیا اور آخرت

افادات مولانا اشرف علی تھانویؒ

اہمیتِ اعمال

نیکیوں کی قدر ہم کو آخرت میں ہوگی کیونکہ یہ وہیں کا سکہ ہے۔ وہاں آپ کے یہ روپے پیسے کام نہ دیں گے' اور وہاں سب کو جانا ہے۔ اس میں کسی مسلمان کو شک نہیں ہو سکتا۔ جب بازارِ قیامت قائم ہوگا' وہاں بھی دو قسم کے لوگ ہوں گے۔ ایک وہ جو کہ وہاں کا سکہ یعنی نیکیاں پلے باندھ کر لائے ہیں' وہ تو بے تکلف ہر قسم کی راحت حاصل کرلیں گے۔ دوسرے وہ لوگ ہو اپنی غفلت کی وجہ سے آخرت کو بھولے ہوئے تھے' اور اس وجہ سے کچھ نیکیوں کا ذخیرہ ساتھ باندھ کر نہیں لائے۔

صاحبو ' وہاں بجز اعمالِ صالحہ کے کچھ کام نہ آئے گا۔ اور یہ بھروسہ نہ کرنا کہ ہمارے ماں باپ بہت نیک تھے' ان سے کچھ نیکیاں بٹوا لیں گے۔ وہاں کوئی کسی کے کام نہ آئے گا۔

حدیث شریف میں ایک شخص کا واقعہ مذکور ہے۔ قیامت کے دن اس کی نیکیاں اور بدیاں برابر ہوں گی۔ وہاں کا قاعدہ یہ ہے کہ اگر نیکیاں زیادہ ہوں تو جنتی ہے اور بدیاں زیادہ ہوں تو دوزخی ہے' اور دونوں برابر ہوں تو چندے اعراف میں رکھا جائے گا۔ اس قاعدہ کے موافق اس شخص سے ارشاد ہوگا کہ اگر ایک نیکی کہیں سے تم کو مل جائے تو جنت میں بھیج دیا جائے گا۔ وہ شخص خوش ہوگا کہ میرے تو ماں باپ' بیوی بچے' دوست احباب بہت سے ہیں' کسی سے ایک نیکی کا مل جانا کیا دشوار ہے۔ چنانچہ وہ جائے گا اور جاکر باپ سے اپنی حالت عرض کرے گا کہ مجھے ایک نیکی کی ضرورت ہے' تم میرے باپ ہو' میرے حال پر رحم کرو' ایک نیکی دے دو۔ وہ صاف جواب دے گا کہ یہاں ہم کو اپنی جان کی پڑی ہے' تجھے ایک نیکی کیسے دے دوں۔ ماں بھی اسی طرح جواب دے دے گی۔ اولاد بھی ٹکا سا جواب دے دے گی۔ دوست احباب بھی دور کی

سنائیں گے۔ آخر نہایت مایوس ہو کر لوٹے گا۔

صاحبو' مگر وہ عجیب دربار ہے۔ وہاں ذرا ذرا سی بات پر بخشش بھی ہو جاتی ہے۔ ایک اور شخص کا قصہ حدیث میں آیا ہے کہ اس کے پاس کوئی نیکی نہ تھی۔ سوائے اس کے کہ اس نے ایک دن راستہ میں سے کانٹا ہٹا دیا تھا' جو ظاہر ہے کہ بہت ہی ذرا سی بات ہے۔ مگر حق تعالیٰ کے یہاں اس کی بھی قدر ہوئی' اور اس کو اسی بات پر بخش دیا گیا۔ صاحبو' نیک کام کو' چاہے کتنا ہی ذرا سا ہو' حقیر نہ سمجھو۔ بعض دفعہ ذرا سی بات قبول ہو جاتی ہے' اور بڑے بڑے عمل' جن پر ناز تھا' رکھے رہ جاتے ہیں۔

ایک بزرگ کا واقعہ ہے کہ جب ان کا انتقال ہوا تو کسی دوسرے بزرگ کو کشف ہوا یا خواب میں دیکھا کہ ان سے سوال ہو رہا ہے کہ ہمارے واسطے کیا عمل لے کر آئے ہو ؟ انھوں نے جواب دیا کہ اور تو کچھ نہیں' توحید لے کر آیا ہوں۔ ارشاد ہوا' جھوٹا ہے۔ توحید بھی تیری درست نہیں۔ دودھ والی رات کا قصہ یاد کرو۔ دودھ والی رات کا قصہ یہ ہوا تھا کہ ایک روز دودھ پینے سے پیٹ میں درد ہوگیا تھا تو انھوں نے کسی سے یہ کہا کہ دودھ سے درد ہوگیا ہے۔ تو یہ باز پرس ہوئی کہ تم نے دودھ کو موثر قرار دیا' حالانکہ موثر ہم ہیں۔ یہ کیسی توحید ہے ! جب توحید بھی غلط ثابت ہوئی تو وہ بزرگ بہت پریشان ہوئے۔ پھر ارشاد ہوا کہ تم اپنے قول کے موافق دوزخ کے مستحق ہو چکے' کیونکہ تمہارے اقرار میں تمہارے پاس صرف ایک نیکی تھی اور وہ بھی غلط ثابت ہوئی۔ اب سنو' ہم تم کو کس بات پر بخشتے ہیں۔ ایک رات تم نے ایک بلی کے بچے کو سردی سے کانپتا دیکھا تھا اور تم نے اس پر رحم کھا کر لحاف ڈال دیا تھا' جس پر اس نے تم کو دعا دی۔ وہ دعا اس بلی کے بچے کی ہم نے قبول کرلی' اور تم کو اس کی دعا پر بخشا جاتا ہے۔

ارادہ کی اہمیت

مَنْ كَانَ يُرِيْدُ الْعَاجِلَةَ عَجَّلْنَا لَهٗ فِيْهَا مَا نَشَآءُ لِمَنْ نُّرِيْدُ ثُمَّ جَعَلْنَا لَهٗ جَهَنَّمَ يَصْلٰهَا مَذْمُوْمًا مَّدْحُوْرًا ○ وَمَنْ اَرَادَ الْاٰخِرَةَ وَسَعٰى لَهَا سَعْيَهَا وَهُوَ مُؤْمِنٌ فَاُولٰٓئِكَ كَانَ سَعْيُهُمْ مَّشْكُوْرًا (بنی اسرائیل ۱۷: ۱۸ - ۱۹)

ان آیتوں میں ایک بہت بڑی چیز کا ذکر ہے' اگرچہ وہ بظاہر چھوٹی معلوم ہو۔ یعنی دنیا کا ارادہ کیا جائے تو اس کا کیا ثمرہ ہے' اور آخرت کا ارادہ کیا جائے تو اس کا کیا نفع ہے۔

واقعتاً ارادہ ایسی چیز ہے' جس کو ہم بہت ہی معمولی اور سرسری سمجھتے ہیں' مگر یہ سرسری چیز ایسی ہے جیسے گھڑی کی بال کمانی۔ دیکھنے میں تو ذرا سی چیز ہے' مگر گھڑی کے چلنے کا دارومدار اسی پر

ہے۔ وجہ اس بے قدری کی یہ ہے کہ ارادہ ایک غیر حسی چیز ہے' اس لیے ہم کو اس کی قدر نہیں۔ مگر واقع میں فکر و ارادہ وہ چیز ہے جس کے ترک کردینے سے ہمارے سب حال بگڑ گئے' اور بہت سے اللہ والوں کے حالات و مقامات اس کی بدولت درست ہو گئے۔ صاحبو' ارادہ بہت بڑی چیز ہے' اس کو حقیر نہ سمجھا جائے۔ دنیا کے بھی سارے کام اس کی بدولت چلتے ہیں۔ یہ بہت بڑی قوت ہے جو انسان میں رکھی ہوئی ہے۔

اب جانو کہ ارادہ فی نفسہٖ نہ کوئی بری شے ہے نہ اچھی۔ یہ اپنے حسن و قبح میں موقوف ہے اپنے مضاف الیہ پر' یعنی مراد پر۔ اگر اچھے کام کا قصد کیا جائے تو وہ ارادہ عمدہ ہے' اور برے کام کا قصد کیا جائے تو وہ ارادہ برا ہے۔ اچھے ارادہ پر ثواب ملے گا اور برے ارادہ پر' اگر پختہ ارادہ ہو جائے گا' گناہ لکھا جائے گا۔ اس سے بھی ارادہ کی عظمت معلوم ہوگئی۔ کیونکہ کسی عمل پر جزا و سزا ارادہ کے بغیر مرتب نہیں ہوتی۔ ارادہ پر عمل کے بغیر بھی گناہ و ثواب لکھا جاتا ہے۔ اگر بغیر ارادہ کے کوئی گناہ بھول چوک سے ہو گیا تو وہ معاف ہے۔

تمنا' ارادہ نہیں

سو' ارادہ کی مسلمانوں میں آج کل بہت ہی کمی ہے۔ کہتے ہیں کہ فلاں کام ہم نے بہت ہی کرنا چاہا' مگر نہیں ہوا۔ میں بہ قسم کہتا ہوں کہ ان لوگوں نے اس کا ارادہ ہی نہیں کیا' صرف تمنا ہی تمنا کی۔ ارادہ اس کا نام ہے کہ جس اختیاری کام کا خیال کریں' اسی کی دھن لگ جائیں اور اپنی پوری کوشش اس میں صرف کر دیں۔ ایسا کرکے پھر کوئی بتلائے کہ کام نہیں ہوا۔ اور اس کے بعد بھی کام نہ ہوا کرے تو دنیا کا کام کیوں کر چلے۔ اس لیے جو شخص یوں کہے کہ میں نے ارادہ کیا اور پھر بھی کام نہیں ہوا' میں اس کو کبھی تسلیم نہ کروں گا۔ بلکہ اس سے یہی کہا جائے گا کہ تم نے اس کام کی تمنا تو کی' ارادہ نہیں کیا۔

صاحبو' انسان میں ارادہ وہ قوت ہے کہ اس کے ساتھ وہ تمام مخلوق پر غالب آسکتا ہے۔ صاحبو' تمہارے ساتھ دو لشکر ہیں۔ ایک ملائکہ کا اور ایک شیاطین کا' اور ان دونوں میں مقابلہ رہتا ہے۔ ایک چاہتا ہے کہ تم کو بدی سے بچائے۔ دوسرا چاہتا ہے کہ تم کو گناہ میں پھنسائے۔ ان لشکروں کی ہار جیت تمہارے ارادہ پر موقوف ہے۔ جس کی طرف تمہارا ارادہ ہو جائے وہی غالب ہو جائے گا۔ اگر آپ نے گناہ کا ارادہ کرلیا تو لشکرِ ملائکہ پسپا ہو گیا' اب وہ غالب نہیں ہو سکتا۔ اگر گناہ سے بچنے کا ارادہ کرلیا تو لشکرِ شیطان مغلوب ہوگیا' اب وہ کبھی غلبہ نہیں کرسکتا۔ افسوس! آپ میں اتنی بڑی قوت موجود ہے اور پھر آپ یوں کہتے ہیں کہ ہم گناہ چھوڑنے سے عاجز ہیں۔

صاحبو' آپ عاجز ہرگز نہیں۔ ہاں یوں کہیے کہ ابھی تک چھوڑنے کا ارادہ نہیں کیا۔ اور ارادہ نہ کرنے کی وجہ یہ ہے کہ گناہ کی عظمت اور اس کا خوف دل میں نہیں۔ گناہ کو ایک معمولی چیز سمجھ رکھا ہے' اور جس گناہ کی عظمت دل میں ہے' اس میں کسی طرح کی بھی کوئی تاویل منہ سے نہیں نکلتی۔ کیوں صاحب ' اگر کوئی ڈاکو کہنے لگے کہ میں اپنے عیال کو بغیر ڈاکہ کے پال نہیں سکتا تھا' اس لیے کہ آمدنی کم اور خرچ زیادہ ہے' تو کیا حاکم اس کا یہ عذر قبول کرلے گا اور کیا اس کو سزا نہ دے گا ؟ حاکم صاف کہہ دیتا ہے کہ ہم یہ باتیں نہیں سننا چاہتے۔ تم نے خلافِ قانون کام کیا ہے' تم کو پھانسی دی جائے گی۔ اے اللہ کے بندو' ایک جواب حاکم دنیا کے سامنے نہیں چل سکتا' وہ خدا کے سامنے پیش کرتے ہوئے کچھ تو شرمانا چاہیے۔

خلاصۂ کلام یہ ہے کہ اس آیت میں ارادہ کا بیان ہے' اور متعلق کے اعتبار سے اس کی دو قسمیں ہیں۔ محمودہ و مذمومہ۔ ان دونوں کے احکام اس آیت میں مذکور ہیں اور اس وقت میں انھی کو بیان کرنا چاہتا ہوں۔ غور سے سنیے۔

طلبِ دنیا کی حقیقت

جو کوئی عاجلہ کا' یعنی دنیا کا' ارادہ کرتا ہے' اس کو ہم جلدی' اسی جگہ' جو چاہیں' اور جس کے لیے چاہیں' دے دیتے ہیں۔ ذرا قیود پر غور کیجیے۔ دنیا کے طالب کو دنیا عطا فرمانے کا پختہ وعدہ نہیں فرماتے' بلکہ اتنی قیدیں ہیں کہ مَا نَشَآءُ لِمَنْ نُّرِيْدُ یعنی جتنا ہم چاہیں' اور جس کے لیے چاہیں' عطا کریں گے۔ معلوم ہوا کہ ہر طالب دنیا کا مراد کو پہنچنا لازم اور ضروری نہیں۔

حالت یہ ہے کہ دنیائے فانی کو اختیار کرنے سے تو بعض اوقات آخرت کا حصہ بالکل نہیں ملتا' جیسے کہ کفار کو۔ اور آخرت اختیار کرنے سے یہ نہیں ہوتا کہ دنیا بالکل نہ ملے' بلکہ آخرت اختیار کرنے والے کو دنیا بھی ملتی ہے۔ اگرچہ بقدر ضرورت و آسائش ملتی ہے۔ گو زیادہ نہ ملے' مگر وہ اس تھوڑی ہی دنیا سے وہ لطف حاصل کرتے ہیں کہ طالبان دنیا کو باوجود کثرت مال کے وہ لطف حاصل نہیں ہوتا۔ مگر طلب دنیا کے ساتھ آخرت اس طرح نہیں مل سکتی۔ تو اب بتایئے کہ طالب دنیا ہونا عقلمندی ہے یا طالب آخرت ہونا۔ جب کہ آخرت کے مقابلہ میں دنیا ایسی حقیر ہے کہ اگر آخرت سے محرومی کی صورت میں اس کے ملنے کا پورا بھروسہ بھی ہوتا جب بھی وہ لینے کے قابل نہ تھی' چہ جائیکہ آخرت چھوڑ کر دنیا کے ملنے کا پورا بھروسا بھی نہ ہو۔

طلبِ آخرت

اب ذرا دونوں مضمونوں میں غور کرلیا جائے کہ طلبِ دنیا و طلبِ آخرت دونوں کے ثمرات

کو کس طرح بیان کیا گیا ہے۔

طالبِ دنیا کی بابت تو ارشاد ہے' عَجَّلْنَا لَهٗ فِيْهَا مَا نَشَآءُ لِمَنْ نُّرِيْدُ۔ یعنی معلوم ہوا کہ نہ سب کا کامیاب ہونا ضروری ہے' اور نہ یہ ضروری کہ جو وہ چاہا کریں وہی مل جائے۔ بلکہ جو حق تعالیٰ چاہیں گے' دے دیں گے۔

اور طالبانِ آخرت کے متعلق ارشاد ہے' اُولٰٓئِكَ كَانَ سَعْيُهُمْ مَّشْكُوْرًا' جو آخرت کی طلب' کوششِ عملی اور ایمان کے ساتھ کرتے ہیں' ان کی کوشش کی قدر کی جائے گی۔

ایمان اور سعی کی قید واقعی ہے' احترازی نہیں۔ اور یہ دراصل بیان ہے مَنْ اَرَادَ الْاٰخِرَةَ کا۔ ارادۂ آخرت کہتے ہی ہیں ایمان اور عمل صالح میں سعی کرنے کو۔ کیونکہ اس کے بغیر طلب آخرت متحقق ہی نہیں ہوسکتی ہے۔ اور یہاں سے رد ہو گیا ان لوگوں کا جو کہ اپنے کو طالب آخرت سمجھتے ہیں' مگر عملِ صالح نہیں کرتے۔ دراصل یہ لوگ طالبِ آخرت ہی نہیں۔ طلب کے لیے علامت بھی چاہیے۔ طلب آخرت کی علامت یہی ہے کہ ایمان اور عملِ صالح اختیار کیا جائے۔

میں نے یہ مضمون کہ سَعٰى لَهَا سَعْيَهَا وَهُوَ مُؤْمِنٌ قید واقعی ہے' اس لیے بیان کیا تاکہ یہ شبہ نہ کیا جائے کہ اس آیت میں جو ثمرہ ارادۂ آخرت کے متعلق مذکور ہے' وہ صرف ارادہ کا ثمرہ کہاں ہے' بلکہ سعی اور ایمان اور ارادہ اس سب مجموعہ کا ثمرہ ہے' اور دعویٰ تمہارا ارادۂ آخرت کے ثمرہ کا ہے۔ تو اس تقریر سے یہ شبہ زائل ہوگیا۔ کیونکہ میں نے بتلا دیا کہ یہ قیدِ واقعی ہے' اور یہ ارادہ کا بیان اور اس کی شرح ہے۔

رہا یہ سوال کہ پھر اس کے مقابل ارادۂ عاجلہ کی تفسیر کیوں نہ بیان کی گئی۔ اس کا جواب یہ ہے کہ ارادۂ آخرت کی اس تفسیر سے مقصود یہ ہے کہ ارادۂ آخرت کا سہل ہونا معلوم ہو جائے' کہ اس میں معمولی سعی اور ایمان کی ضرورت ہے' تاکہ اس کے بعد آخرت کی طلب کے لیے رغبت دل میں پیدا ہو۔ بخلاف ارادۂ دنیا کے کہ اس کی ترغیب مقصود نہیں۔ اس لیے اس کی تفسیر بیان نہیں فرمائی۔ علاوہ ازیں یہ کہ ارادۂ آخرت کی تفسیر کے متعلق تو لوگ غلطی میں مبتلا ہیں۔ کوئی کسی طریقہ کو طلب آخرت سمجھتا ہے' کوئی کسی طریقہ کو۔ اس لیے اس کی تفسیر کی ضرورت تھی۔ اور ارادۂ دنیا کو تو ہر شخص سمجھتا ہے' اس کے بیان کی حاجت نہ تھی۔

پس ارادہ دنیا و آخرت میں ایک تو فرق یہاں یہ بتلایا گیا کہ طلب دنیا سے یہ کچھ ضرور نہیں کہ وہ مطلوب حاصل ہی ہو جائے' اور نہ یہ ضروری ہے کہ ہر ایک کو حاصل ہو جائے۔ اور

طلبِ آخرت کی ہمیشہ قدر ہوتی ہے۔ وہ ضائع نہیں ہوسکتی۔ دوسرا ایک لطیف اشارہ ایک خاص فرق کی طرف اس آیت میں اور بھی ہے' جو اسی وقت سمجھ میں آیا ہے اور ابھی تک اس آیت کی تفسیر میں نظر سے نہیں گزرا۔ ممکن ہے کسی نے لکھا بھی ہو۔ وہ یہ کہ اس جگہ دو جملے شرطیہ ہیں اور ہر ایک میں شرط کا تعلق جزا کے ساتھ مختلف عنوان سے بیان کیا گیا ہے۔ ارادۂ دنیا کی بابت تو ارشاد ہے' مَنْ كَانَ يُرِيْدُ۔ یہ صیغۂ استمرار ہے۔ ترجمہ یہ ہوا کہ جو کوئی دنیا کو طلب کرتا رہے اور ہمیشہ طلب میں منہمک رہے' تب کچھ ملتا ہے۔ اور ارادۂ آخرت کے متعلق مَنْ اَرَادَ بغیر لفظ كَانَ کے ارشاد فرمایا گیا ہے۔ اس سے یہ معلوم ہوا کہ ثمرۂ اخروی حاصل ہونے کے لیے طلب میں مرنا کھپنا نہیں پڑتا' بلکہ کچھ ارادہ کرنے سے بھی وہ ثمرہ حاصل ہوجاتا ہے۔

اس کا یہ تو مطلب نہیں کہ طالب آخرت کا ارادہ اور طلب مستمر نہیں ہوتا' اور کچھ دنوں کے بعد وہ زائل ہو جاتا ہے۔ نہیں' حقیقت میں تو وہ بھی مستمر رہتا ہے۔ مگر تھوڑی سی سعی و طلب کے بعد مستمر ہو جاتا ہے۔ کیونکہ محبتِ الٰہی پیدا ہو جانے کے بعد وہ ارادہ خود بخود پیدا ہوتا رہتا ہے۔ اگرچہ پیدا اختیار سے ہوتا ہے' مگر بوجہ اعانت غیبی کے ایسا معلوم ہوتا ہے کہ خود بخود بدون اختیار کے پیدا ہو رہا ہے۔

اور وجہ اس کی یہ ہے کہ آخرت کی طلب محبوبِ سرکار ہے۔ اس میں سعی کرنے والے کی اس طرح سے امداد ہوتی ہے جس سے وہ بالکل سہل ہو جاتی ہے۔ حدیث شریف میں ہے :

من تقرب الی شبرا تقربت الیہ ذراعا ومن تقرب الی ذراعا' تقربت الیہ باعا' ومن اتانی یمشی' اتیتہ ھرولتہ۔

اور دنیا مردودِ بارگاہِ الٰہی ہے۔ اس میں ہمیشہ دقت و تعب ہی رہتا ہے۔ اس کے لیے ہمیشہ اہتمام و انہماک از خود کرنا پڑتا ہے' اور یہ طلب ہمیشہ بتکلف از سرِ نو پیدا کرنا پڑتی ہے۔

پس حقیقتاً تو دونوں ارادے مستمر ہوتے ہیں۔ مگر سہولت و اعانت غیبی کی وجہ سے ارادۂ آخرت گویا مستمر نہیں رہا' بلکہ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ کوئی دوسرا خود بخود اس کے دل میں ان اعمال کا تقاضا پیدا کر دیتا ہے۔ اور ارادۂ دنیا حقیقتاً اور حکم دونوں کے اعتبار سے مستمر ہے۔ اس لیے اس کے ساتھ كَانَ استمرار کے لیے بڑھایا گیا اور ارادۂ آخرت کے بیان میں کان نہیں بڑھایا گیا۔

شرح اس سہولت و اعانت کی یہ ہے کہ طلبِ آخرت میں قدرے سعی کرنے سے جب نسبت مع اللہ پیدا ہو جاتی ہے' تو اس سے ایک کیف اور حال ایسا پیدا ہو جاتا ہے جو ہر مشکل کو آسان کردیتا ہے۔ وہ کیف نسبت مع اللہ کا ایسا ہوتا ہے کہ اس کے بعد کام نہ کرنا دشوار ہو جاتا

ہے' کام کرنا کچھ دشوار نہیں رہتا۔ اس طریق میں کچھ باطنی مشقت پیش بھی آتی ہے تو وہ اس سے بدول نہیں ہوتے' بلکہ اس میں بھی ان کو بڑا لطف آتا ہے۔ اسی کی بابت ارشاد ہے۔ از محبت تلخہا شیریں بود۔

اور اس نسبت مع اللہ سے اور سب کام تو آسان ہو ہی جاتے ہیں۔ جو سب سے بڑی خوفناک چیز ہے' جس سے سب لوگ ڈرتے ہیں' یعنی موت' وہ بھی ان کے لیے ایسی خوشگوار ہو جاتی ہے کہ اس کی یہ لوگ تمنائیں کرتے ہیں۔

طالبِ آخرت کا ارادہ اگرچہ مستمر ضرور ہوتا ہے' مگر بوجہ سہولت و اعانت غیبی کے گویا وہ بالکل ارادہ ہی نہیں کرتا۔ سب کام بغیراس کے ارادہ کے ہوتا رہتا ہے۔ مگر میرا مطلب یہ نہیں کہ ان سے کبھی گناہ نہیں ہوتا یا یہ معصوم ہیں۔ نہیں' بلکہ تقاضا معصیت کا ان کو بھی ہوتا ہے' کیونکہ نفس ان کے ساتھ بھی لگا ہوا ہے۔ مگر ان کے تقاضے کی اور دوسروں کے تقاضے کی ایسی مثال ہے' جیسے کہ ایک تو شائستہ گھوڑا شرارت کرے کہ اس کو ذرا سی چمکار میں سیدھا کرلیتے ہیں' اور ایک غیرشائستہ گھوڑا شرارت کرے کہ وہ نہ مارنے سے سیدھا ہوتا ہے نہ چمکارنے سے۔ وہ جب شرارت کرتا ہے' سوار کو پٹک دیتا' اور زین کو بھی پھینک دیتا ہے۔ تو اب یہ بات بالکل ظاہر ہے کہ گھوڑا شائستہ ہونے کے بعد بھی کبھی شرارت کرنے پر آتا ہے' مگر وہ سیدھا ہو جاتا ہے۔ اہل نسبت کی ایسی ہی مثال ہے۔ یہی لوگ ہیں جو پل صراط پر برق کی طرح جائیں گے۔ کیونکہ پل صراط' شریعت کی صورت مثالی ہے۔ جو لوگ دنیا میں شریعت پر بہ سہولت چلتے تھے' اور شریعت پر چلنا ان کو ایسا آسان اور خوشگوار ہو گیا تھا جیسا کہ دوسروں کو کھانا پینا سونا' یہ لوگ پل صراط پر بھی باسانی گزر جائیں گے۔

اب اس آیت میں چند نکات سمجھیے جو اس وقت ذہن میں ہیں۔

ایک نکتہ یہ ہے کہ فرمایا گیا ہے' فِيهَا مَا نَشَاءُ لِمَنْ نُرِيدُ کہ طالبان دنیا میں سے ہم جس کو چاہیں' اور جس قدر چاہیں' عطا کردیتے ہیں۔ اس کا مقتضا یہ تھا کہ اس کے مقابلہ میں طالبان آخرت کے لیے یہ فرمایا جاتا کہ ہم طالب آخرت کو جو کچھ وہ چاہے گا وہی دیں گے۔ کیونکہ جب دنیا والوں کے لیے یہ فرمایا گیا کہ ان کو جو ہم چاہیں گے وہ دیں گے' تو بظاہر اس کے مقابل طالبانِ آخرت کے لیے فضیلت پوری اس طرح معلوم ہوگی کہ ان کو ان کی طلب کے موافق سب کچھ دیا جائے۔ مگر بخلاف اس کے اس آیت میں ما یشاء نہیں فرمایا گیا' بلکہ بجائے اس کے اُولٰٓئِكَ كَانَ سَعْيُهُمْ مَشْكُورًا فرمایا گیا۔

تو بات یہ ہے کہ اگر اس جگہ حق تعالیٰ اہل آخرت کے بارہ میں یہ ارشاد فرماتے کہ ان کو جو کچھ وہ چاہیں گے وہی دیا جائے گا' تو اس میں درحقیقت کچھ زیادتی نہ ہوتی' بلکہ وعدہ گھٹ جاتا۔ کیونکہ نعمائے آخرت کی شان یہ ہے' **مالا عین رات ولا اذن سمعت ولا خطر علی قلب بشر**' یعنی نہ ان کو آنکھوں نے دیکھا' نہ کان نے سنا' نہ کسی بشر کے قلب پر خیال گزرا۔

تو بتایئے کہ جب وہاں کی نعمتوں کا یہ حال ہے' تو اگر یہ فرمایا جاتا کہ طالبینِ آخرت کو جو کچھ وہ چاہیں گے' دیا جائے گا' اس سے زیادتی ہوتی یا کمی ؟ بہت کمی ہو جاتی کیونکہ وہاں کی نعمتوں کا ہم کو وہم بھی نہیں ہوسکتا۔ پھر ہماری خواہش کے موافق جو ہم کو ملتا وہ تو بہت ہی کم ہوتا۔ حق تعالیٰ شانہ کی کتنی بڑی رحمت ہے کہ ہمارے واسطے انھوں نے ایسی نعمتیں تیار کر رکھی ہیں جن کا ہم کو گمان بھی نہیں ہو سکتا' اور وہاں کا ثواب ہماری خواہش پر موقوف نہیں۔ فرمایا' بلکہ اپنی رحمت سے' خواہش سے بہت زیادہ' عطا فرمائیں گے۔

اب آپ نے سمجھا کہ ما یشاء نہ فرمانا ہی ہمارے لیے رحمت ہے۔ اس وجہ سے حق تعالیٰ شانہ نے اجملاً فرما دیا' **اُولٰٓئِکَ کَانَ سَعْیُھُمْ مَّشْکُوْرًا**' یعنی ان لوگوں کی کوشش کی اس دربار میں قدر ہوگی۔ اسی سے سمجھ جاؤ کہ جن کی کوشش کی قدردانی ایسے عظیم الشان قدردان بادشاہ کے دربار میں ہو ان کو کیا کچھ ملے گا۔ اس کا اندازہ اس سے کرلو کہ بادشاہان دنیا جب کسی کی قدر دانی کرتے ہیں تو اس کے ساتھ کیسا معاملہ کرتے ہیں۔ وہ یہ نہیں کیا کرتے کہ خدمت کی حیثیت پر انعام و اکرام کریں' بلکہ وہ اپنی حیثیت کے موافق انعام و اکرام کیا کرتے ہیں' جس کا اس کو وہم بھی نہیں ہوتا۔ پھر جس کی قدردانی حق تعالیٰ شانہٗ اپنی عظمت کے موافق فرمائیں گے' اندازہ کرلو' اسے کیا کچھ ملے گا۔ اس وقت اس کی تفصیل سمجھ میں نہیں آسکتی۔

دوسرا اشارہ **وَسَعٰی لَھَا سَعْیَھَا** میں ہے کہ یہ کلام اس سعی کے سہل ہونے پر دال ہے۔ جیسا کہ اردو محاورہ میں بھی بولا جاتا ہے کہ اس کام کے لیے جو تدبیر ہے' وہ کرنی چاہیے۔ اس تدبیر کو بیان نہ کرنا' اور اجملاً یہ کہہ دینا کہ جو تدبیر اس کی ہے وہ کرنی چاہیے' اس سے اس تدبیر کا معلوم ہونا اور سہل ہونا معلوم ہو جاتا ہے۔ اسی طرح جو کلام یہاں پر وارد ہوا ہے' اس سے اس سعی کا معلوم ہونا اور سہل ہونا سمجھا جاتا ہے۔ مطلب یہ کہ وہ سعی مختصر اور مشتہر ہے' بیان کی ضرورت نہیں۔

تیسرا اشارہ **مَّشْکُوْرًا** میں اس بات کی طرف ہے کہ جو کچھ آخرت میں ملے گا وہ محض قدردانی ہے' عمل کو اس میں دخل نہیں۔ اس سے ناز کرنے والوں کو تنبیہہ مقصود ہے کہ اپنے

عمل پر نازاں نہ ہونا چاہیے۔ جو کچھ وہاں ملے گا محض انعام ہو گا' ورنہ تم عمل سے اس کے مستحق نہیں ہو سکتے۔

وجہ یہ کہ طاعت' ادائے حق خداوندی ہے' اور اس کے حقوق غیر متناہی ہیں' اور حقوق غیر متناہی کا ادا کرنا موقوف ہے عمل غیر متناہی پر' اور ہم بوجہ حادث و متناہی ہونے کے عمل غیر متناہی سے عاجز ہیں۔ تو عقلاً انسان ادائے حق خداوندی سے عاجز ہے۔ تو اب جو کچھ بھی اسے ملے وہ محض قدردانی نہیں تو اور کیا ہے ؟

یہاں سے یہ شبہ بھی دور ہو گیا ہو گا جو بعض رحم دل لوگوں کے دلوں میں آیا کرتا ہے کہ کافروں کے لیے ہمیشہ کے لیے خلود فی النار کیوں مقرر ہوا۔ کفر تو اس نے کیا تھوڑی مدت تک' یعنی دنیا کی زندگی میں' اور سزا ہمیشہ ہمیشہ کے لیے جہنم۔ یہ تو بظاہر عدل کے خلاف معلوم ہوتا ہے۔ تو بات یہ ہے کہ کافر نے حق تعالیٰ کے ساتھ جب شرک و کفر کیا تو اس نے حق تعالیٰ شانہ کے حقوق غیر متناہیہ کو ضائع کیا' اور حقوق غیر متناہیہ پر غیر متناہی سزا عقل کے موافق ہے۔ غرض عمل صالح سے تو حقوق غیر متناہیہ ادا نہیں ہوتے اور کفر سے حقوق غیر متناہیہ ضائع ہو جاتے ہیں۔ پس عمل متناہی کے بدلے غیر متناہی جزا جو مومنین کو عطا ہو گی' یہ البتہ عقل سے آگے ہے۔

پس مَّشْكُوْرًا سے بتلا دیا کہ عقل تو چاہتی ہے کہ تمہارا اجر کم ہوتا' مگر یہ ہماری قدردانی ہے۔ ایک حدیث میں بھی یہ مضمون آیا ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ جنت میں اپنے عمل سے کوئی نہ جائے گا۔ ہاں' رحمت الٰہی ہو جائے تو اور بات ہے۔ حضرت عائشہؓ نے عرض کیا' اور اس سوال کی ہمت بھی انھی کو تھی' **ما رسول اللہ' ولا انت**' کیا آپ بھی اپنے عمل سے جنت میں تشریف نہ لے جائیں گے ؟ حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں کہ میرے اس سوال پر حضور صلی اللہ علیہ وسلم پر خوف غالب ہو گیا' اور آپؐ نے سر مبارک پر ہاتھ رکھ کر فرمایا' **ولا انا الا ان یتمدنی اللہ برحمتہ**' یعنی میں بھی عمل سے جنت میں نہ جاؤں گا' مگر یہ کہ خدا کی رحمت میری دست گیری کرے۔ صاحبو' اب کس کی ہمت ہے جو اپنے عمل کو کچھ سمجھے۔

قیامت میں جب ہم اپنے اعمال کی جزا دیکھیں گے کہ اس قدر بے شمار نعمت ہے تو معلوم ہو گا کہ یہ سب محض قدردانی ہے۔ چنانچہ حدیث میں ہے کہ قیامت کے روز حق تعالےٰ شانہ' اپنے مومن بندے کا حساب چھپا کر لیں گے' اور فرمائیں گے کہ ہم نے تم پر یہ یہ انعام فرمائے تھے' تم نے پھر بھی نافرمانی کی۔ فلاں گناہ کو یاد کرو' تم نے فلاں دن یہ کام کیا تھا' اس دن یہ کیا تھا' غرض گناہوں کی فہرست شمار فرمائیں گے' یہاں تک کہ مومن یہ سمجھے گا کہ بس میں ہلاک ہوا اور

ہر طرف سے اپنے کو جہنم کو قریب دیکھنے لگا۔ اس وقت حق تعالے شانہ' فرمائیں گے کہ جاؤ' ہم نے دنیا میں بھی پردہ پوشی کی تھی' یہاں بھی ہم پردہ پوشی کرتے ہیں۔ پھر اس کے نامۂ اعمال میں سے گناہوں کو محو فرما دیں گے اور ان کی جگہ اعمال حسنہ درج فرما دیں گے۔ یہ ہے اُولٰٓئِکَ یُبَدِّلُ اللّٰہُ سَیِّاٰتِہِمْ حَسَنٰتٍ کا مضمون۔ کچھ ٹھکانا ہے اس رحمت کا کہ مسلمانوں کو اپنی رحمت سے دوسروں کے سامنے ذلیل نہ فرمائیں گے' بلکہ دوسروں کے سامنے اس کی عزت بڑھائی جائے گی اور یوں ظاہر کیا جائے گا کہ گویا اس نے گناہ کیا ہی نہیں۔

صاحبو' ایسے خدا کو چھوڑ کر کہاں جاتے ہو۔ کیا اس کا حق تمہارے اوپر کچھ بھی نہیں' جو یوں نافرمانی پر کمربستہ ہوئے ہو۔ ایسے رحیم و کریم خدا کے ساتھ تعلق اور لگاؤ پیدا کرو اور اس کی محبت میں کوشش کرو۔ (تلخیص و تدوین: خ-م)

رمضان المبارک کے موقع

پر خصوصی رعایتی اسکیم

نمبر	کتاب	قیمت	رعایتی قیمت
۱	کتاب الصوم	۴۵/-	۲۳.۰۰
۲	فضائلِ قرآن	۲۴/-	۱۲.۰۰
۳	شعورِ حیات	۲۴/-	۱۴.۰۰
۴	گلدستۂ حدیث	۱۲/-	۶.۰۰
۵	خاصانِ خدا کی نماز	۱۸/-	۱۰.۰۰
۶	خاصانِ خدا کا خوفِ آخرت (اوّل)	۱۸/-	۱۰.۰۰
۷	خاصانِ خدا کا خوفِ آخرت (دوم)	۱۸/-	۱۰.۰۰
۸	روشنی کے مینار	۳۶/-	۲۰.۰۰

البدر پبلی کیشنز
23 راحت مارکیٹ
اردو بازار لاہور